قرآنِ مجید کا عیسیٰ علیہ السلام پر ایمان لانے والا گروہ اَلْحَوَارِیُّونَ کے متعلق بیان حقیقت

عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کی جانب رسول تھے اور ان کی دعوت حق کے جواب میں بنی اسرائیل دو گرہوں میں بٹ گئی تھی۔ ایمان لانے والا گروہ الحواریون اور دوسرا کافر تھا۔

فَلَمَّآ أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ ٱلْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنصَارِىٓ إِلَى ٱللَّهِ ۖ قَالَ ٱلْحَوَارِيُّونَ نَحْنُ أَنصَارُ ٱللَّهِ ءَامَنَّا بِٱللَّهِ وَٱشْهَدْ بِأَنَّا مُسْلِمُونَ ﴿٥٢﴾

سورۃ آلِ عمران کی اس آیت مبارکہ کا ترجمہ اور تفسیر کرنے کا رواج کچھ یوں ہے:

[ترجمہ مولانا محمد جوناگڑھی۔ تفسیر مولانا صلاح الدین یوسف۔ قرآنِ کریم شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس۔ سعودی عرب]

[''مگر جب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) نے ان کا کفر محسوس کر لیا تو کہنے لگے اللہ تعالیٰ کی راہ میں میری مدد کرنے والا کون کون ہے؟ حواریوں نے جواب دیا کہ ہم اللہ تعالیٰ کے مددگار ہیں۔ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لائے اور آپ گواہ رہئے کہ ہم تابعدار ہیں'' تفسیر: (۱) بہت سے نبیوں نے اپنی قوم کے ہاتھوں تنگ آ کر ظاہری اسباب کے مطابق اپنی قوم کے باشعور لوگوں سے مدد طلب کی ہے۔ جس طرح خود نبی ﷺ نے بھی ابتدا میں، جب قریش آپ کی دعوت کی راہ میں رکاوٹ بنے ہوئے تھے تو آپ موسم حج میں لوگوں کو اپنا ساتھی اور مددگار بننے پر آمادہ کرتے تھے تا کہ آپ رب کا کلام لوگوں تک پہنچا سکیں، جس پر انصار نے لبیک کہا اور نبی ﷺ کی انہوں نے قبل ہجرت اور بعد ہجرت مدد کی۔ اس طرح یہاں عیسیٰ علیہ السلام نے مدد طلب فرمائی۔ (۲) حواریون، حواری کی جمع ہے بمعنی انصار (مددگار) جس طرح نبی ﷺ کا فرمان ہے ''ہر نبی کا کوئی خاص مددگار رہوتا ہے اور میرا مددگار زبیرؓ ہے'']

(اگرچہ حوالہ نہیں دیا گیا لیکن یہ ''تفسیر'' ابن کثیر کی تفسیر کا محض ترجمہ ہے)

[ترجمہ مولانا احمد رضا خان بریلوی۔ تفسیر مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی۔ کنز الایمان فی ترجمة القرآن]

[''پھر جب عیسیٰ نے ان سے کفر پایا بولا کون میرے مددگار ہوتے ہیں اللہ کی طرف۔ حواریوں نے کہا ہم دین خدا کے مددگار ہیں ہم اللہ پر ایمان لائے اور آپ گواہ ہو جائیں کہ ہم مسلمان ہیں'' تفسیر: حواری وہ مخلصین ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے دین کے مددگار تھے اور آپ پر اول ایمان لائے۔ یہ بارہ اشخاص تھے] تفسیر الجلالین اور القرطبی سے ماخوذ ہے (و کانوا اثنی عشر رجلا)

اللہ تعالیٰ نے سورۃ المائدہ کی آیت ۱۱۱ میں بتایا کہ اللہ نے یہ بات حواریون کے دل میں ڈالی تھی:

وَإِذۡ أَوۡحَيۡتُ إِلَى ٱلۡحَوَارِيِّـۧنَ أَنۡ ءَامِنُواْ بِي وَبِرَسُولِي قَالُوٓاْ ءَامَنَّا وَٱشۡهَدۡ بِأَنَّنَا مُسۡلِمُونَ ١١١

[ترجمہ مولانا محمد جوناگڑھی۔ تفسیر مولانا صلاح الدین یوسف۔ قرآنِ کریم شاہ فہد پرنٹنگ کمپلیکس۔ سعودی عرب]

[''اور جب کہ میں نے حواریون کو حکم دیا کہ تم مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ، انہوں نے کہا ہم ایمان لائے اور آپ شاہد رہئے کہ ہم پورے فرمانبردار ہیں''۔ تفسیر: (۱) حواریون سے مراد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے وہ پیروکار ہیں جو ان پر ایمان لائے اور ان کے ساتھی اور مددگار بنے۔ ان کی تعداد بارہ بیان کی جاتی ہے۔ وحی سے مراد ہے یہاں وہ وحی نہیں ہے جو بذریعہ فرشتہ انبیاء علیہم السلام پر نازل ہوتی تھی بلکہ یہ وحی الہام ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بعض لوگوں کے دلوں میں القا کر دی جاتی ہے جیسے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ اور حضرت مریم علیہا السلام کو اسی قسم کا الہام ہوا جسے قرآن نے وحی ہی سے تعبیر کیا ہے]۔

[ترجمہ مولانا احمد رضا خان بریلوی۔ تفسیر مولانا محمد نعیم الدین مرادآبادی۔ کنز الایمان فی ترجمة القرآن]

[''اور جب میں نے حواریوں کے دل میں ڈالا کہ مجھ پر اور میرے رسول پر ایمان لاؤ بولے ہم ایمان لائے اور گواہ رہ کہ ہم مسلمان ہیں''
تفسیر: حواری حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے اصحاب اور آپ کے مخصوصین ہیں]

أَحَسَّ کا مادہ ''ح س س'' ہے اور معنی محسوس کرنا، آگاہ ہونا ہیں۔ جناب راغب نے کہا کہ جب کوئی چیز اس طرح نمایاں اور آشکارہ ہو جائے کہ وہ با آسانی محسوس کی جا سکے تو اس وقت أَحَسَّ بولا جاتا ہے۔ اور آشکارہ ہونے والی چیز اگر خطرناک ہو تو احتیاطی تدبیر کی جاتی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام لوگوں کے کفر کی شدت کو محسوس کر لینے پر حفظ ماتقدم کے طور پر احتیاطی تدبیر اختیار کرتے ہوئے اپنے آئندہ لائحہ عمل کیلئے پوچھ رہے ہیں کہ ان میں سے ''کون اللہ کی طرف میرا مددگار ہوگا''۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ مددگار کس کام میں مدد کرنے کیلئے درکار ہیں؟ اللہ کے رسول کو جنگ یا ہجرت کرنے کیلئے لوگوں کی مدد درکار ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کو کسی کو آسمان پر اٹھانے کیلئے کسی انسان کی مدد کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اللہ تعالیٰ کو آقائے نامدار رسولِ کریم ﷺ کو آسمانوں کے ابواب کے اس پار بلانے، لے جانے اور واپس چھوڑنے کیلئے کسی کی مدد کی ضرورت نہیں پڑی تھی لیکن مکۃ المکرّمہ سے مدینہ منورہ ہجرت کرنے کیلئے آقائے نامدار ﷺ کو سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور سیدنا علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ضرورت پڑی تھی۔ انہیں ہمارا اسلام ہو۔

کیا حواریون بمعنی انصار (مددگار) ہے؟ عیسیٰ علیہ السلام نے پوچھا تھا مَنۡ أَنصَارِيٓ إِلَى ٱللَّهِۖ ''کون میرا مددگار ہے اللہ کی جانب؟'' کیا ''مددگاروں'' سے پوچھنا پڑتا ہے کہ تم میں سے کون میرا مددگار ہے؟ عیسیٰ علیہ السلام نے کن سے پوچھا

تھا؟ بتایا گیا ہے ''اے ایمان والو! اللہ کے مددگار بنو جیسے عیسیٰ ابن مریم نے حواریون کیلئے کہا تھا مَنۡ أَنصَارِيٓ إِلَى ٱللَّهِۖ
''میرا مددگار کون ہوگا اللہ کی جانب'' (حوالہ الصف۔۱۴) قَالَ ٱلۡحَوَارِيُّونَ نَحۡنُ أَنصَارُ ٱللَّهِۖ ''حواریون نے کہا
''ہم ہیں اللہ کے مددگار'' (من وعن ایک جیسے الفاظ حوالہ الصف۔۱۴، آلِ عمران۔۵۲)۔ قرآنِ مجید عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اہل ایمان گروہ حواریون کی وفاداری اور ساتھ نبھانے کی گواہی دیتا ہے، ان پر بیوفائی یا غداری کا الزام قطعی نہیں لگاتا بلکہ اہل ایمان کو اللہ کا مددگار بننے کی ہدایت دیتے ہوئے ان کی مثال بیان کرتا ہے۔ اس لئے اپنے ان مسلم بزرگان کے متعلق اسرائیلی روایات کے بل بوتے پر کچھ کہنے لکھنے سے اجتناب کرنا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔

عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق یہ تو سب پر واضح ہے وَرَسُولًا إِلَىٰ بَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ ''اور بنی اسرائیل کی جانب رسول تھے'' (حوالہ آلِ عمران۔۴۹)۔ اس سے واضح ہے کہ ان پر ایمان لانے والے یا انکار کرنے والوں کا تعلق اُس وقت بنی اسرائیل کے لوگوں ہی سے ہوسکتا تھا۔ رسول جس کسی قوم میں آتے تھے وہی قوم دو گروہوں میں بٹ جاتی تھی، ایک گروہ کافر اور ایک گروہ ایمان والے۔
عیسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے بنی اسرائیل کے متعلق بتایا

فَـَٔامَنَت طَّآئِفَةٌ مِّنۢ بَنِيٓ إِسۡرَٰٓءِيلَ وَكَفَرَت طَّآئِفَةٌۖ

''تو بنی اسرائیل میں سے ایک گروہ ایمان لایا اور ایک گروہ نے کفر کیا'' (حوالہ الصف۔۱۴)

ابن فارس نے لکھا ہے کہ عرب طائفة کو کسی معین تعداد میں محدود نہیں کرتے تھے نیز انہوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ بہرحال اس سے تھوڑی اور معمولی مقدار یا تعداد ہی مراد لی جاتی ہے۔ قرآنِ مجید ابن فارس کی اس رائے کی نفی کرتا ہے
أَن تَقُولُوٓاْ إِنَّمَآ أُنزِلَ ٱلۡكِتَٰبُ عَلَىٰ طَآئِفَتَيۡنِ مِن قَبۡلِنَا ''یہ اس لئے کہ تم یہ نہ کہو کہ ''کتاب تو نازل کی گئی تھی ہمارے سے قبل دو گروہوں (بنی اسرائیل اور نصاریٰ) پر'' (حوالہ الانعام۔۱۵۶)۔ پوری کی پوری قوم کو طَآئِفَةُ بتایا گیا ہے۔

ٱلۡحَوَارِيُّونَ بنی اسرائیل کا وہ طَـآئِفَةُ تھا جو ایمان لایا۔ قرآنِ مجید میں ان ٱلۡحَوَارِيُّونَ کے علاوہ بنی اسرائیل کا کوئی ایسا گروہ بیان نہیں ہوا جو عیسیٰ علیہ السلام کی زندگی میں ان پر ایمان لایا ہو۔ کافر گروہ کے مقابل اسی کا تذکرہ ہے۔
الْحَوَارِيُّونَ نے کہا تھا کہ ''نَحۡنُ ''ہم'' (ضمیر جمع متکلم) اللہ کے مددگار ہیں''۔ حَوَارِيُّونَ کو طَآئِفَةُ کہا گیا ہے۔ اس کا مادہ

''ط و ف'' ہے اور معنیٰ ''کسی چیز کا ٹکڑا، لوگوں کی جماعت جو ہم آہنگیِ فکر و خیال یا اشتراک مذہب کی بناء پر متحد ہو اور اس سبب سے دوسروں سے ممتاز ہو'' (محیط)۔ اور حَوَارِیُّون کا مادہ ''ح و ر'' ہے۔ ابن فارس نے اس کے بنیادی معنی ایک قسم کا رنگ، پلٹنا اور گھومنا لکھے ہیں۔ ایک دوسرے کو لوٹا کر جواب دینا، تبادلہ گفتگو کے معنوں میں سورۃ الکہف کی آیت ۳۴، ۳۷ اور المجادلۃ کی پہلی آیت میں استعمال ہوا ہے۔ اَلْمِحْوَرُ اس لکڑی یا لوہے کو کہتے ہیں جس کے گرد کوئی چیز گردش کرتی ہے۔ اَلْحَوَرُ ایک لکڑی ہوتی ہے جسے اس کی سفیدی کی وجہ سے بیضاء بھی کہتے ہیں۔ صاغانی نے تصریح کی ہے کہ اس لفظ (حُور) کی بنیاد سفید ہونے پر ہے یعنی اس کے مادہ میں سفید ہونے کا مفہوم ہے۔ اَلْحَوَارِیَّاتُ شہر کی عورتوں کو کہتے ہیں جن کا رنگ بھی سفید ہوتا ہے اور ویسے بھی اجلی رہتی ہیں۔ اَلْحُوَّارَیٰ میدے کو کہتے ہیں۔

حَوَارِیُّونَ کو طَآئِفَةُ کہا گیا ہے۔ اور ان دونوں الفاظ کے معنی اور مفہوم سے مطابقت رکھنے والے خدوخال کا ایک گروہ تاریخ میں **Essenes** کے نام سے ملتا ہے۔ اگرچہ ان کا ذکر پہلے بھی ملتا تھا لیکن ۱۹۴۷ء میں بحر مردار کے قریب غاروں میں سے ملنے والی قدیم تحریروں سے انہیں زیادہ شہرت ملی اور خیال کیا جاتا ہے کہ دریافت کئے گئے خربت قمران **(Khirbat Qumran)** میں اس گروہ سے تعلق رکھنے والوں کا پہلی صدی عیسوی میں بسیرا تھا۔ یہ لوگ سبت اور دوسرے دینی معاملات میں مثبت روش اور طرز عمل کے پیروکار تھے، سفید کپڑے پہنتے تھے اور اجلے رہتے تھے۔

عیسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کو دکھانے کیلئے معجزے عطا کئے گئے تھے ''میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے (ءَ ایَةٍ) ایک نشان لے کر آیا ہوں وہ یہ کہ میں تمہارے لئے مٹی سے پرندے کی سی صورت بناؤں گا پھر اس میں پھونک ماروں گا تو وہ اللہ کے حکم سے پرندہ بن جائے گا اور میں اللہ کے حکم سے مادرزاد اندھے اور کوڑھ کے مریض کو اچھا کردوں گا اور مردوں کو زندہ کردوں گا اور تمہیں بتاؤں گا جو تم کھاتے ہو اور جو گھر میں چھوڑتے ہو'' (حوالہ آلِ عمران۔۴۹)۔ اور سورۃ المائدہ کی آیت ۱۱۰ میں فرمایا ''اور (میری نعمت کو یاد کر) جب تو میرے حکم سے مٹی سے پرندے جیسی صورت بناتا تھا پھر اس میں پھونک مارتا تو وہ میرے حکم سے پرندہ بن جاتا تھا، اور تو میرے حکم سے مادرزاد اندھے اور کوڑھ کے مریض کو اچھا کر دیتا تھا اور جب تو میرے حکم سے مردوں کو (موت سے) باہر نکال لاتا تھا''۔ لیکن ان واضح نشانیوں کے باوجود ہوا کیا تھا؟

فَقَالَ ٱلَّذِينَ كَفَرُواْ مِنۡهُمۡ إِنۡ هَٰذَآ إِلَّا سِحۡرٞ مُّبِينٞ ٥

''تو ان میں سے انکاری لوگوں (کے گروہ) نے کہا ''یہ تو محض کھلا جادو ہے'' (حوالہ المائدہ۔۱۱۰)

اوران کی اس بات سے عیسیٰ علیہ السلام نے أَحَسَّ ان کے کفر کو نمایاں اور آشکارہ دیکھ لیا۔

فَلَمَّآ أَحَسَّ عِيسَىٰ مِنْهُمُ ٱلْكُفْرَ قَالَ مَنْ أَنصَارِىٓ إِلَى ٱللَّهِ

''پھر جس وقت عیسیٰ (علیہ السلام) نے ان کی جانب سے کفر کو آشکارہ محسوس کیا تو انہوں نے کہا ''میرا مددگار کون ہوگا اللہ کی جانب؟''

(حوالہ آلِ عمران۔۵۲)۔اور کافروں نے انہیں قتل کرانے کی سازش کی اور اللہ تعالیٰ نے اپنی بہترین تدبیر فرمائی۔

وَإِذْ كَفَفْتُ بَنِىٓ إِسْرَٰٓءِيلَ عَنكَ

''اور جب میں نے تیری طرف بڑھنے سے بنی اسرائیل کو روک دیا'' (حوالہ المائدہ۔۱۱۰)

كَفَفْتُ ' واحد متکلم ماضی معروف ہے۔اس کا مادہ ''ک ف ف'' ہے اور اس کے معنی مدافعت کرنا اور ایذا پہنچانے سے روکنا ہے۔ كُفُّوٓاْ أَيْدِيَكُمْ ''اپنے ہاتھوں کو روکے رکھو'' (حوالہ النساء۔۷۷) ''فَكَفَّ أَيْدِيَهُمْ عَنكُمْ ' پھر اس نے ان کے ہاتھوں کو تم سے روک دیا'' (حوالہ المائدہ۔۱۱)۔ كَفَفْتُ اس صورت میں استعمال ہوسکتا ہے اگر بڑھنے والے ہاتھ اور جس تک ان ہاتھوں کو پہنچنے سے روکنا ہے دونوں زمین پر ہوں۔ایک فریق کو اگر آسمان پر اٹھالیا جائے تو دوسرے فریق کے اس کی طرف بڑھنے والوں ہاتھوں کو روکنے کی بات کیا کہی کی جاسکتی ہے؟

بنی اسرائیل کے متعلق ایک تلخ حقیقت یہ بتائی گئی ہے ''درحقیقت ان کی باطل پرستی کے سبب اللہ نے ان کے دلوں پر مہر لگا دی ہے اور اس وجہ سے سوائے چند کے ایمان نہیں لاتے'' (حوالہ النساء۔۱۵۵)

وَبِكُفْرِهِمْ وَقَوْلِهِمْ عَلَىٰ مَرْيَمَ بُهْتَٰنًا عَظِيمًا ﴿١٥٦﴾ ''اوران کے کفر اوران کے (سیدہ) مریم (صدیقہ) پر بہتان عظیم لگانے والے قول کی وجہ سے'' (النساء۔۱۵٦)۔اور ایک وجہ یہ بھی بتائی گئی ہے

وَقَوْلِهِمْ إِنَّا قَتَلْنَا ٱلْمَسِيحَ عِيسَى ٱبْنَ مَرْيَمَ رَسُولَ ٱللَّهِ ''اور ان کے اس قول کے سبب سے جس میں انہوں نے کہا ''ہم نے قتل کر دیا ہے مسیح عیسیٰ ابن مریم (علیہ السلام) رسول اللہ کو'' (حوالہ النساء۔۱۵۷)۔

یہ گلی کے عام لوگوں کی کہی ہوئی بات نہیں ہے۔یہ بنی اسرائیل کے اس وقت کے سرکردہ لوگوں کی جانب سے عوام کیلئے اعلان تھا۔ان کا یہ اعلان جھوٹا تھا۔اور اعلان کے الفاظ میں ان کا اپنا شک وشبہ اور تذبذب بھی جھلک رہا ہے کہ کیا واقعی انہوں نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کر دیا تھا؟ بنی اسرائیل کے اکابرین لوگوں کو یقین دلانے کی کوشش کرر ہے ہیں کہ جس شخص کو انہوں نے قتل کیا ہے وہ وہی عیسیٰ

ابن مریم تھا جو اپنے آپ کو رسول اللہ کہتا تھا۔ بنی اسرائیل کا انکار کرنے والا گروہ انہیں رسول اللہ مانتا ہی نہیں تھا اس لئے اگر انہیں یہ یقین ہوتا کہ انہوں نے عیسیٰ ابن مریم کو قتل کیا ہے تو ''رسول اللہ'' کہنے کی قطعی ضرورت نہ تھی۔ یہ مقتدر لوگوں کے عوام الناس سے نفسیاتی فریب کے حربے ہیں۔ واضح فرمایا وَمَا قَتَلُوهُ وَمَا صَلَبُوهُ وَلَـٰكِن شُبِّهَ لَهُمْ ''اور حقیقت یہ ہے کہ نہ تو انہوں نے انہیں قتل کیا اور نہ انہیں (عیسیٰ علیہ السلام کو) صلیب پر لے جایا گیا بلکہ انہیں اس معاملے میں شبے میں ڈالا گیا تھا''۔ بنی اسرائیل اس علاقے کے حکمران، مقتدر نہیں تھے اور سزائے موت دینے کا اختیار صرف اور صرف رومی حکمران (Roman Procurator) کے پاس تھا۔ اور اس وقت کے یہودی اکابرین کا شک وشبہ ان کے اپنے اعلان میں موجود ہے جس سے وہ عام لوگوں کو مطمئن کر رہے تھے کہ ''رسول اللہ'' ہی قتل ہوا ہے۔

وَإِنَّ ٱلَّذِينَ ٱخْتَلَفُوا۟ فِيهِ لَفِى شَكٍّ مِّنْهُ ۚ مَا لَهُم بِهِۦ مِنْ عِلْمٍ إِلَّا ٱتِّبَاعَ ٱلظَّنِّ ۚ

''اور جو لوگ اس میں اختلاف کرتے ہیں بیشک وہ اس معاملے میں نرے شک میں مبتلا ہیں۔

ان کے پاس اس معاملے میں کوئی علم نہیں ہے محض گمان کی پیروی کرتے ہیں۔

وَمَا قَتَلُوهُ يَقِينًۢا ٥

(اپنے شک اور گمان سے جان چھڑالو) انہیں یقیناً قتل نہیں کیا گیا تھا'' (النساء۔۱۵۷)

عیسیٰ علیہ السلام نے کھلم کھلے کفر کو محسوس کرنے پر حواریون سے پوچھا کہ کون ان کا مددگار ہوگا اِلَى اللّٰهِ ۔ اور اللہ تعالیٰ نے اپنی تدبیر سے عیسیٰ علیہ السلام کی جانب بڑھنے والے بنی اسرائیل کے ہاتھوں کو ان تک پہنچنے سے روک دیا۔ انہی حواریون نے اس خواہش کا اظہار کیا تھا:

إِذْ قَالَ ٱلْحَوَارِيُّونَ يَـٰعِيسَى ٱبْنَ مَرْيَمَ هَلْ يَسْتَطِيعُ رَبُّكَ أَن يُنَزِّلَ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ ٱلسَّمَآءِ ۖ قَالَ ٱتَّقُوا۟ ٱللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿١١٢﴾ قَالُوا۟ نُرِيدُ أَن نَّأْكُلَ مِنْهَا وَتَطْمَئِنَّ قُلُوبُنَا وَنَعْلَمَ أَن قَدْ صَدَقْتَنَا وَنَكُونَ عَلَيْهَا مِنَ ٱلشَّـٰهِدِينَ ﴿١١٣﴾

جب حواریون نے کہا ''اے عیسیٰ ابن مریم! کیا آپ اپنے رب سے درخواست کر سکتے ہیں کہ ہم پر آسمان سے ایک خوان اتار دے؟''

انہوں نے کہا ''اللہ سے ڈرو اگر تم مومن ہو''۔ انہوں نے کہا ''ہم چاہتے ہیں کہ اس سے کھائیں اور ہمارے دل اطمینان پائیں

اور ہم مشاہدہ کرلیں کہ (ماضی قریب میں) آپ نے یقیناً ہم سے سچ کہا ہے۔ اور اس پر ہم گواہ ہو جائیں'' (المائدہ۔۱۱۲۔۱۱۳)

عیسیٰ علیہ السلام کو بنی اسرائیل کیلئے معجزے عطا ہوئے تھے جنہیں ان کے کافر گروہ نے ''کھلا جادو'' قرار دے دیا۔ قتل کی سازش ناکام ہو جانے کے بعد حواریون نے اپنے لئے ایک معجزہ نازل کرنے کے متعلق استفسار کیا تھا۔ اور پھر وجہ بتائی تھی کہ یہ محض اطمینان قلب کیلئے بات کہی ہے۔ صَـدَقْتَنَا ''تو نے ہم کو سچ بتایا'' صیغہ ماضی ''نا'' ضمیر جمع متکلم۔ ''قَدْ'' ماضی کو ماضی قریب بنا دیتا ہے اور فعل ماضی کے ساتھ تحقیق کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے (نَـعْـلَـمَ) علم ءَ ایَةٍ کا ہوتا ہے۔ ءَ ایَةٍ کسی ظاہری علامت، شئے، نشانی کو کہتے ہیں۔ علم شئے کے ظاہر ہونے کا مرہون منت ہے۔ ظاہری علامت، نشانی، ءَ ایَةٍ بصارتوں کو دکھائی دیتی ہے۔ عیسیٰ علیہ السلام نے بھی دعا میں ان کی اس خواہش کو ءَ ایَةٍ ہی کہا تھا۔ بنی اسرائیل کیلئے عطا کی گئی نشانیوں، معجزات میں یہ بات شامل نہیں تھی۔ اس نئے معجزہ کے حواریون شاہد، گواہ بننا چاہتے تھے۔

عیسیٰ علیہ السلام کو اگر آسمان پر اٹھا لیا گیا ہوتا تو ان سے حواریون اس خواہش کا اظہار کیسے کر سکتے تھے؟ کیا خواہش مانی گئی؟

قَالَ عِيسَى ٱبْنُ مَرْيَمَ ٱللَّهُمَّ رَبَّنَآ أَنزِلْ عَلَيْنَا مَآئِدَةً مِّنَ ٱلسَّمَآءِ تَكُونُ لَنَا عِيدًا لِّأَوَّلِنَا وَءَاخِرِنَا وَءَايَةً مِّنكَۖ وَٱرْزُقْنَا وَأَنتَ خَيْرُ ٱلرَّٰزِقِينَ ﴿١١٤﴾ قَالَ ٱللَّهُ إِنِّى مُنَزِّلُهَا عَلَيْكُمْۖ فَمَن يَكْفُرْ بَعْدُ مِنكُمْ فَإِنِّىٓ أُعَذِّبُهُۥ عَذَابًا لَّآ أُعَذِّبُهُۥٓ أَحَدًا مِّنَ ٱلْعَٰلَمِينَ ﴿١١٥﴾

'عیسیٰ ابن مریم نے کہا ''اے اللہ رب ہمارے! ہم پر آسمان سے ایک خوان اتار جو ہمارے لئے ہمارے پہلوں اور ہمارے پچھلوں کیلئے خوشی کا تہوار بنے اور تیری طرف سے ایک نشان (ءَ ایَةً، معجزہ) ہو اور ہمیں رزق عطا کر کہ تو ہی سب سے اچھا رزق دینے والا ہے''۔

اللہ نے کہا ''میں اسے تم پر اتارنے والا ہوں اس لئے اگر تم میں سے کوئی اس کے بعد کفر کرے گا تو اسے میں وہ عذاب دونگا جو میں سارے جہاں میں کسی کو نہ دونگا'' (المائدہ ۱۱۴-۱۱۵)

رب عظیم سے عیسیٰ علیہ السلام نے حواریون کے جواب سے مطمئن ہو کر خوان اتارنے کی دعا کی تھی۔ اور اسے ءَ ایَةً مِّنکَ ''تیری جانب سے نشانی، معجزہ'' قرار دیا تھا۔ بنی اسرائیل کی جانب مبعوث ہونے کی ابتدا پر انہوں نے انہیں بتایا تھا ''أَنِّي قَدْ جِئْتُكُم بِـَٔايَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ میں تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے ایک نشان (ءَ ایَةٍ) لے کر آیا ہوں'' جِئْتُكُم بِـَٔايَةٍ مِّن رَّبِّكُمْ (حوالہ آلِ عمران۔ ۴۹، ۵۰)۔ اور بنی اسرائیل کے انکار کرنے والے گروہ نے اسے جادو قرار دے دیا تھا۔ حواریون نے بھی وہ معجزے دیکھے

ہوئے تھے کہ اس وقت وہ بھی تو بنی اسرائیل ہی کا حصہ تھے۔ اب یہ نئی نشانی، معجزہ، ءَ ایَۃً ایک نئی وجود میں آنے والی قوم کیلئے ہے۔ اللہ تعالیٰ کا وعدہ اور امر پورا ہو کر رہتا ہے۔ اس لئے اس قسم کے تذبذب میں مبتلا ہونا اہل ایمان کو زیبا نہیں کہ مائدہ اتارا گیا تھا یا نہیں۔ حواریون حقیقی مومن تھے۔ ان کے ایمان کے متعلق کسی قسم کا منفی خیال گمانِ گناہ ہے کہ قرآنِ مجید آج بھی اہل ایمان کو ان کی مثال دے کر اللہ کے مددگار بننے کا کہتا ہے۔

اور یہ بھی واضح رہے کہ قرآنِ مجید نے کہیں بھی یہ نہیں فرمایا کہ ہر نبی کا ''ایک خاص مددگار'' ہوتا ہے۔ مکۃ المکرّمہ اور مدینہ منورہ کے لوگوں نے کبھی یہ ''فخر'' نہیں کیا کہ انہوں نے آقائے نامدار ﷺ کی مدد کی ہے۔ انہیں فخر اس بات کا ہے کہ انہوں نے آقائے نامدار ﷺ کی اتباع کا شرف پایا

لَّقَد تَّابَ ٱللَّهُ عَلَى ٱلنَّبِيِّ وَٱلۡمُهَٰجِرِينَ وَٱلۡأَنصَارِ ٱلَّذِينَ ٱتَّبَعُوهُ فِي سَاعَةِ ٱلۡعُسۡرَةِ

''اب اللہ نے نبی (ﷺ) اور مہاجرین اور ان انصار پر جنہوں نے مشکل وقت میں ان کی اتباع کی تھی توجہ فرمائی ہے'' (حوالہ التوبہ ۱۱۷)
اور آقائے نامدار، رسولِ کریم ﷺ کی اتباع جن و انس کیلئے سب سے بڑا فخر اور شرف ہے کہ اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی محبت حاصل ہو جاتی ہے (حوالہ آلِ عمران ۔۳۱)

قرآنِ مجید عیسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اہل ایمان گروہ حواریون کی وفاداری اور ساتھ نبھانے کی گواہی دیتا ہے، ان پر بیوفائی یا غداری کا الزام قطعی نہیں لگاتا بلکہ اہل ایمان کو اللہ کا مددگار بننے کی ہدایت دیتے ہوئے ان کی مثال بیان کرتا ہے (حوالہ الصّف ۔۱۴)۔ اس لئے اپنے ان مسلم بزرگان کے بارے میں اسرائیلی روایات کے بل بوتے پر کچھ کہنے لکھنے سے اجتناب کرنا چاہیۓ۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے۔